

صاحبزادہ سید نور شہید احمد گیلانی۔

بنیاد پرستی..... اعزاز یا الزام؟

(۲)

یہ ہماری فکری و تہذیبی کمزوری ہی تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لے کر شادی بیاہ تک، اپنے آغاز سیاست سے مسند اقتدار تک اور الف با سے لے کر تعلیم کی آخری ڈگری تک، دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی تو چڑھاہیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا ہوا شخص بھی ہمیں پہچان کر پکار اُٹھے کہ یہ مسلمان ہے، ہمارا کردار، ہمارا معیار، ہمارے انداز، ہمارے اطوار اور ہمارا چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور شناختی کارڈ "بن جائے، قرآن مجید، صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایک جگہ کہتا ہے "سیماء فی وجوہہم من اثر السجود" جس کا مفہوم یہ ہے کہ اُن کا چہرہ اُن کے صحابی رسول ہونے کا پتہ دیتا تھا، اُسی عہد میں جب کہ ہمارا اپنا معیار تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔

یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہ معمولی باتیں ہماری فکری سمت اور عملی روش کا پتہ دیتی ہیں کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں، مگر ہمارا طرز تعمیر یورپ جیسا بنتا جا رہا ہے، جو کہ ٹھنڈا علاقہ ہے، اس بات کا دین یا اصول دین سے کوئی تعلق نہیں لیکن ہماری نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کے لوازم کو نظر انداز کر کے اپنے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں؛ اس لیے کہ ہم نے یورپ میں اس طرح دیکھا ہے۔

جو شخص مالی طور پر ذرا خوشحال یا افسر ہو جائے گا تو شادی بیاہ، دفتر یا تقریب میں گرمیوں کے موسم میں بھی تھری پیس سوٹ پہنے گا کیوں؟ شاید وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح میں انگریز لگوں گا اور لوگ مرعوب ہوں گے اسی طرح بے ہنگم موسیقی خواہ سمجھ آئے یا نہ، مغرب کی پیروی میں اپنے ہاں رائج کر رہے ہیں، کیوں؟ اسی لیے کہ فیشن کا تقاضا ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں جو ہزار مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے، گھر ہر فرد "پرائیویسی" کے چکر میں ہے، ہر ایک کا اپنا کمرہ، اپنے یار دوست، اپنے کھانے پینے کے اوقات، اپنا سونے اور جاگنے کا شیڈول، ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں بیٹی

ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں سو ہم ایسا کر رہے ہیں۔

اس بگڑت و ڈر کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ مخراب و منہر سے لے کر صحافت اور سیاست تک مقصدیت، سنجیدگی و تقویٰ، خوفِ آخرت اور اخترام کے رویے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں، بے یقینی اور اعتماد کا فقدان ظاہر ہے کچھ تو کرشمے دکھائے گا۔

اگر انسان ساری عمر صاف باہر ہی باہر دیکھتا رہے یا آگے آگے ہی دیکھتا رہے تو وہ کبھی اپنے باطن کے حسن سے آگاہ نہیں ہو سکتا اور اس طرح وہ اپنے دل آویز ماضی کے شاندار ورثے کی یادوں سے محروم ہو جاتا ہے، حسنِ باطن سے بے خبری اور بادیِ ماضی سے محرومی اتنا معمولی نقصان نہیں کہ کوئی شخص کسی اندھے شوق کی خاطر خواہ مخواہ برداشت کر لے۔

بات ہو رہی تھی خود اعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنا ”حسن“، قبح اور دوسروں کا ”قبح“ حسنِ نظر آنے لگا، سیرت کی کتابوں میں ایک واقعہ آتا ہے جو ہمارے لیے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے بھی پڑھا تھا مگر دونوں میں نفسیات کا بے پناہ فرق ہے انہیں اپنی تہذیب اور اپنے آداب معاشرت پر ناز تھا اور ہمیں دوسروں کے آداب و اصول عزیز ہیں۔

ایک مرتبہ گورنرِ مدائن (عراق) حضرت سلمان فارسیؓ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے اس دوران کھانے کا وقت ہوا تو زمین پر دسترخوان بچھایا گیا، دورانِ طعام حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا آپ نے اُسے زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں رکھ لیا، آپ کے ذاتی معاون قریب بیٹھے تھے انہوں نے سرگوشی کے انداز میں کہا ”حضرت یہ لوگ سب ملک کے شہری ہیں اور پرتکلف تہذیب کے آدمی ہیں، آپ نے زمین پر گر پڑا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا، یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمانوں کو حکومت ملی گئی ہے لیکن اتنی نفاست نہیں آئی کہ مٹی میں شہر ا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں“ آپ نے بڑے اعتماد سے جواب دیا کہ ”کیا میں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں؟ رُ ترک سنت جیسی لہولہاء الحقاہ یعنی یہ سنون طریقہ ہے کہ اگر کوئی حلال اور طیب کھانے کی چیز زمین پر گر پڑے تو ازراۃ تکبر اُسے وہاں نہ پڑا رہنے دیا جائے بلکہ صاف کر کے دوبارہ استعمال کیا جائے ورنہ نعمتِ خداوندی کی ناشکری کا الزام آ سکتا ہے۔

یہ ہے وہ اعتماد جو صدرِ اقل کے مسلمانوں میں تھا۔ انہیں قیصر و کسریٰ کے درباروں میں وضع ہونے والا، آداب و رسوم کے مقابلہ میں مسجدِ نبوی کے کچے فرش پر ترتیب پائے جانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں

سے زیادہ طبعی انس اور قلبی لگاؤ ہے، دوسروں کے بچے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھر وندا گرا دینا یا تو بدستی ہوگی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اسی طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں من و عن دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے میلانِ طبع اور رجحانِ خاطر ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرانی جنت ہی کو ہر وقت طبع کی نظروں سے نہیں دیکھنا چاہیے اپنے ہی زورِ بازو سے حاصل کی ہوئی نائن شیئر پر مدارِ قوت حیدری ہوتی ہے اور یہی مردانِ کار کا شیوہ ہے، غنا مال سے نہیں نظرِ اردول کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اگر ہمارے پیسنے ایک اصطلاح سن کر چھوٹے لگیں تو کب سراٹھا کر چلنے کے قابل ہو سکیں گے؟ اسی خود اعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبال کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے کہ کسی تقریب میں ایف سی کانج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرت علامہ سے ہوئی ڈاکٹر لوکس نے سوچا ہوگا کہ حضرت علامہ ”روشن خیال“ آدمی ہیں ان سے یہ پوچھ لیا کہ واقعی قرآن حکیم ان ہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبر اسلام کے اپنے ہیں۔ جس دور میں یہ بات پوچھی جا رہی تھی وہ عہد اسلام اور اہل اسلام کے لیے خاصا پر آشوب اور فتنہ انگیز تھا، انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھے اور بڑے بڑے ”عالمینِ ملت مسلمہ“ معذرت خواہی کو اپنا شعار بناٹے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی اس کتر بیونت سے اسلام بے چارہ نیم جان ہو رہا تھا، عقائد سے لے کر سن تک ہیں ”گوری سرکار“ کی مرضی کے مطابق ترمیم و تیسخ کے بیٹے چلائے جا رہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جاے میں فٹ کرنے کے لیے کاٹا چھانٹا جا رہا تھا، وحی، الہام، ملائکہ، جہاد، جزیر، حجاب، سود جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ ”انگریز خواہ“ تعبیریں پیش کی جا رہی تھیں۔ المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ کا جواب کس قدر اعتماد افزا رہا، یقیناً افراد اور ایمان پرور تھا وہ ملاحظہ فرمائیے۔

”آپ نے کہا کہ میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، کیونکہ بارہا مجھ پر پورے کا پورا شعر الفاظ و حروف سمیت وارد ہوا ہے میں نے فقط اسے اپنی بیاض میں نقل کر لیا، اگر مجھ جیسے شخص پر شعر الہام ہو سکتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قرآن اس طرح نازل کیوں نہیں ہو سکتا؟ آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال ”دانشور“ اسے حضرت علامہ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصور فہم ہے، اسی خود اعتمادی نے تو حضرت علامہ کو ”حکیم الامت“ کا منصب بخشا ہے ورنہ وہ ہمیشہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ ، اور اسی طرح

ۛ مودج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

کی تلقین کرتے رہتے ؟

اس تلقین میں یہی حکمت کارفرما ہے کہ خود اعتمادی کی کمی انسان میں بے یقینی پیدا کرتی ہے اور قبولِ اقبال

ۛ غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

اور یہی بے یقینی انسان کو ایک ”لڑھکتا ہوا پتھر“ بنا دیتی ہے جو بالآخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں

جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے ۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو ، جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزاز یا انعام ، کسی خیر اور شر

اور کسی فائدے اور نقصان میں رد و قبول کا معیار کیا ہونا چاہیے ؟ یہی معیار ہی ہے جو قوموں کی اقدار تشکیل دیتا

ہے اور انہیں اقدار کی بدولت قوموں کے گرنے یا سنبھلنے کے رویے قریب پاتے ہیں اگر ہر بات کو اس کا سیاق

اور سیاق جانے کے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی ۔

آج امریکہ اگر یہیں ”بنیاد پرست“ کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں

ہم بنیاد پرست نہیں ہیں یعنی آپ کے مفہوم کے مطابق تاریک خیال ، جنگجو ، قدامت پسند اور روایت پرست

نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو امریکہ ہمیں ”کلمہ گو“ کہہ کر چھڑنا شروع کر دے اور اسی کا

مفہوم یہ بتائے کہ ”کلمہ گو“ کا مطلب وہم پرست ، گاؤں دنی اور بزدل ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہتا ہے ۔

دکھ تکلیف میں نمازیں پڑھتا ہے ، آخرت میں ثواب و عذاب کو مانتا ہے تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں

اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں ہم ”کلمہ گو“ نہیں ہیں ، ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور

”کلمہ گو“ کا جو مفہوم امریکہ متعین کر دے ہم اُسے مدِ الہام ربانی ”مجھ کو اس پر ایمان لے آئیں ، ظاہر ہے

سلسلہ پھر کہیں رکتا نظر نہیں آتا تو کیوں نہ ”گرہ کشتن روزِ ازل“ کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے علی الاعلان

کہہ دیں کہ ہم بنیاد پرست ہیں ، ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک امت ایک قوم اور ایک

ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوام عالم کی صف میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے ۔

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو امریکہ سمجھتا اور ہم پر چسپان کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہیے

کہ تاریک خیال ، جنگجو اور تو ہم پرست ہم نہیں تم ہو ، ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نوا

اور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور انقلاب آشنا کر رہا تھا یورپ اندھے غاروں پر پڑا ہوا تھا ، معمولی نظافت

بیک کا یورپ کو علم نہیں تھا ، تہذیب تو دور کی بات ہے ، صلیبی جنگیں بہا رہی تھیں تمہارا ورثہ ہے ، ہمارا سفر

ہمارے شروع ہو کر فتح حکم پر منتج ہوا اس دوران نہایت معمولی خون بہا، اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں بول کے مطابق قتل ہوتے ہیں، اور تم ہو یہیں جنگجو کئے والے، جب کہ ہیروشیما اور ناگاساکی کی آب و ہوا تھا کہ شیانہ حملوں اور انسانی قتل عام کی پورے اب تک مسموم اور روزِ محشر تک آلودہ رہے گی، ہم مسلمان آج بھی ان وسنت کی روشنی میں حق اور باطل کا واضح عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حق اور باطل اضافی صیغے میں بلکہ دائمی اصطلاحات میں درنوں واضح اور طے شدہ ہیں، دونوں میں حد فاصل ازل سے اب تک قائم رہے، لیکن تمہارے نزدیک حق صرف طاقت کا نام ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آٹے روز بدلتا رہتا ہے، لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں؟

گزشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی اب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور امریکہ کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی، یسویا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد، مسئلہ کشمیر ہو یا جلیانوالہ باغ، ویتنام کا محرکہ یا افغانستان کی جنگ، اور عراق پر خون بار حملہ یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہو سکیں؟ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ امر واقع تبدیل ہوتا ہے وہ اُمت ہیں جس کے ہر فرد کے لیے ہمارے خدا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ہمارے دین اور ہمارے ن نے جو نام پسند کیا ہے وہ ”مسلم“ ہے اور ہمارے نام ہی ہیں ”مسلمانی“ کا جو ہر منہ پر ہے، ہے کوئی دوسری ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم ہو؟

امریکہ اور یورپ کی یہ ٹھسے بازری تو اس اُردو کہاوت کو پیچ ثابت کر رہی ہے کہ ”اٹا چور کو تو ال کو نٹے“ جس ملت کا خدا ”رب العالمین“ جس اُمت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ”رحمۃ اللعالمین“ جس قوم کا بطہ حیات ”دہری للعالمین“ اور جس جماعت کا اپنا نام ”المسلمین“ ہو غضب خدا کا اُسے استعماری تئیں ”جنگجو“ تاریک خیال اور علم دشمن کہیں، فیہا للعجب۔

سورج کو لگے دھبہ فطرت کے کرشمے ہیں بت ہم کو کہیں کافر، اللہ کی مرضی ہے

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ یورپ اور امریکہ کی طرف سے اس نفسیاتی بلغار کا مقصد ہے کہ وہ ہمارے ہی نیت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے انقلاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے یٹ نہیں ہوتے مگر یورپ اور امریکہ کا پراپیگنڈہ انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گلابی کی طرح شرمناک بنا دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک اس نفسیاتی ٹیکنک کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوت مزاحمت کا امتحان ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں؟ انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آگیا ہے یا ابھی انتظار

کرنا پڑے گا؟ یہ قسمتی سے ہم اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہوئے ہیں کہ ابھی امریکہ کے منہ سے اس کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے لجانا اور کسنا شروع کر دیتے ہیں اور وائٹ بائی سے لفظ کتابیں ڈھونڈ کر معذرت کے الفاظ تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے ”بنیاد پرست“ ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر بے مگر اس کا کیا علاج کہ امریکہ اور یورپ شاید ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور وہ ہم سے کہہ کہ تم کس طرح ”بنیاد پرست“ نہیں ہو جبکہ تمہارے ملکوں کے نام کے ساتھ اکثر ”اسلامی جمہوریہ“ کا لفظ آتا ہے تمہارے ہاں ”مذہبی امور“ کی باقاعده وزارتیں ہیں تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو، تمہارے اجلاسوں کا آغاز ”تلاوت“ سے ہوتا ہے۔ مصافحہ کے وقت تم دو السلام علیکم کہتے ہو، تقریر کا آغاز ”بسم اللہ“ سے کرتے ہو، تمہارے قومی ترانے میں ”سایہ خدائے ذوالجلال“ آتا ہے۔ پاکستان کا دارالحکومت ”اسلام آباد“ ہے اور اکثر اسلامی ملکوں کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔

فلہذا درخوئے بدراہمانہ بسیار“ کے مصداق، ہمیں یورپ اور امریکہ سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہیے کہ وہ آئندہ نہیں دوسرے، دوسرا نہیں تیسرے بہانے سے ضرور ہمیں بدنام اور زنج کر تے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے؟

قرآن حکیم نے واضح طور پر قرار دیا ہے کہ ”تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے وہ تم سے راضی نہیں ہو گے“۔ مغرب کو ہماری شکل و صورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں اسے ہمارے نظریہ حیات سے ہے جو فی الواقع اور ان کی نظر میں بھی حیات آفرین، طاقتور، زندہ، متحرک اور ہر چیلنج کا سامنا کرنے والا نظریہ ہوتا ہے۔ اگر تو ہم اپنے نظریہ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے لیکن اسلام کے اپنے کن کردار کی موجودگی میں یورپ اور امریکہ ہم سے کبھی خوش اور مطمئن نہیں ہو سکتے۔ کیوں کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی، معاشی اور دفاعی ساز و سامان، فنی صلاحیت اور انتظام حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں اگر وہ ہم سے پیچھے ہیں تو ان نظریاتی قوت ہے جس سے وہ محروم ہیں، حیات دکائیات کے ان روحانی اصولوں اور ضابطوں سے محروم ہیں جس سے ان کا پورا نظام معاشرت ایک منتقلی خلا کا شکار ہے جسے وہ ایٹم بم اور دولت کے زور سے پر نہیں کر سکتے۔

ان کی یہ خواہش طشت از بام ہوا چاہتی ہے کہ کمینوزم خواہ جیسا برا بھلا نظام تھا بہر حال اپنی پشت پر اکیس نظریاتی قوت رکھنا تھا اور ان کے لیے ایک چیلنج اور درودِ سر تھا جسے مغرب کی قوت نے پاش پاش کر دیا۔ اب ان کی یہ مسئلہ صرف ”اسلام“ رہ گیا ہے وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں تب جا کر امریکہ اور یورپ کو سکون نصیب ہوگا، ان کے لیے ان کی نفسیاتی یلغار کا ہر راستہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ اگر

لے پہل ”بنیاد پرستی“ کا چرچا کرے گا اور رفتہ رفتہ اس ”بنیاد پرستی“ کو ”دہشت گردی“ کا مترادف بنا دے گا، وہ جس کو اپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنانا چاہے گا اُس پر ”بنیاد پرست“ ہونے کا لیبل چسپاں کر دے گا اور اس کا مطلب ”دہشت گرد“ ملک ہو گا تو اگلے قدم کے طور پر ان اداروں کی وساطت سے رجوع خود اس کے محتاج اور دست نگر ہیں)۔
یادیں منظور کر لے گا قبل ازیں بھی ایسی قراردادیں موجود ہیں کہ ”دہشت گرد“ ملکوں کے خلاف سخت ترین کارروائی ہو سکتی ہے، ایسے ملکوں کی اقتصادی ناکہ بندی سے لے کر براہ راست ان پر فوج کشی کی جائے گی۔

حلیف یورپی ملکوں کے عوام کی رائے اور رد عمل سے بچنے کے لیے پہلے سے نفسیاتی غاف کوٹنا امریکہ کی پالیسی اور حکمت کا حصہ ہے تاکہ وہ اپنے حلیف ملکوں اور ان کے عوام کو باور کرا سکے کہ جس کے خلاف فوجی کارروائی ہو رہی ہے ”دہشت گرد“ ملک ہے اور اس کارروائی کا اخلاقی جواز ہے اس مرحلے پر پہنچ کر ہماری سوچ کے دودھ مارے رہا رہے لیے انتخاب کے دور استے ہیں۔

اولاً ہم برابر ”بنیاد پرستی“ کے الزام کی تردید کرتے رہیں اور یوں ”دہشت گردی“ کے لیبل سے بچ جائیں۔
ثانیاً ہم ”ڈنکے کی چوٹ پر خود کو“ ”بنیاد پرست“ تسلیم کریں اور اپنا مدعا اور مفہوم واضح کرتے رہیں لہذا بظاہر مارا ستم محفوظ اور محتاط راستہ ہے اور ہمارے بعض دانشور اور تجزیہ نگار اسے منتخب کر رہے ہیں اور دوسرے راستے رہ جزیاتی اور اشتعال انگیز بتلاتے ہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں آخر الذکر دوسرا ستم ہی بقاء اور استقلال کی ضمانت فراہم کرے گا، کیوں کہ امریکہ کی بات ٹھیک ہوتی تو وہ اور اس کے ذرائع ابلاغ اور زیر اثر اور حلیف ملک کے ”دانشور“ ہمارے لیے یہ لقب نزع نہ کرتے، جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اصطلاح محض ”چلمن“ ہے اس کے پیچھے اصل ”چہرہ“ دیکھنے کی ورت ہے جو بڑا بھیانک اور مکروہ ہے اور یہ چہرہ ایسے سانپ کا چہرہ ہے جس کے دو منہ اور بے شمار کینچلیاں ہیں، جنہیں بدنسنے میں ذرا دیر اور تامل نہیں کرتا۔

کشمیر میں اس کا چہرہ اور ہے، الجزائر میں اور اودہ چاہے تو پوری وادی کو خاک و خون میں لوٹانے والے ارت کو سب سے بڑی جہوریہ کی سند دے دے اور چاہے تو الجزائر میں انتخاب جیتنے والے فرنٹ کو ”بنیاد مت“ قرار دے دے۔ جس طرح شیر پر کوئی پابندی نہیں کہ وہ اندھے سے پی پیجے! اسی طرح امریکہ پر بھی کوئی نہیں کہ دیو کو پوری اور پوری کو دیو ثابت کر دے۔

اگر ہمارا رویہ معذرت خواہ نہ رہا تو وہ ہمارا گھبراؤ رنگ کرتا جائے گا تا آنکہ ہمیں اپنی شرائط منولنے بیور کر دے گا اور ہماری معذرتوں کو اٹا ہمارے خلاف استعمال کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۵۹ پر)

ایک

ایک عالمگیر
قسم

خوشخط
دراں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کتے
سفید
ایڈجسٹبل
ب کے
ساتھ

دست
جنگ
دستیاب



آزاد فرینڈز
ایڈ کمپنی لیمٹڈ

دیکھیں دینشیں دلمنریب

حسین کے پارچہ جات

حسین کے خوبصورت پارچہ جات
زیرت آئینوں کو بیچنے میں
جو آپ کی شخصیت کو جس
نہایت سے نمایاں ہوں یا

مردوں کے لباسات کیلئے
مردوں کے لباسات کیلئے
مردوں کے لباسات کیلئے
مردوں کے لباسات کیلئے

خوش پوشی کے پیش کردہ

حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لیمٹڈ کراچی

جوبلی انڈسٹریز ملز
جوبلی انڈسٹریز ملز
جوبلی انڈسٹریز ملز
جوبلی انڈسٹریز ملز

قومی خدمت ایک عبادت ہے اور

سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے



Servis

قد قدام حسین قدام قدام